حرف اوّل

تصوف کی بنیاد قرآن اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ تصوف وعرفان کا تیسرا اہم ماخذ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات اور مکتوبات ہیں۔ اس کے بعد محی الدین ابن العربی کی فتوحات مکیہ، شیخ شہاب الدین کی عوارف المعارف ، شیخ ہجویری کی کشف المحجوب اور مولانا جلال الدین کی مثنوی ہے جو تصوف کے مختلف پہلوؤں پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پھر ہندوستان میں صوفیاء کے ملفوظات ، مکتوبات اور ان کا منظوم کلام ہے جو تصوف پر ایک اہم ماخذ کا درجہ رکھتا ہے۔

لیکن تصوف نے تحریک کی شکل ۶۶۱ھ میں اس وقت اختیار کی جب اسلامی جمہوریہ کو یزید کی جانشینی کے فیصلے نے موروثی ملوکیت میں تبدیل کردیا۔ اب صوفیاء نے دین اسلام کے تحفظ کے لئے باقاعدہ طور پر تحریک چلائی اور اپنے آپ کو حکومت وقت سے ہر طرح علحدہ کرلیا اور اپنے خلفا سے بھی یہ شرط رکھی کہ وہ بھی حکومت وقت سے کسی طرح کا الحاق نہیں رکھیں گے اور نہ ہی ان سے کوئی مالی تعاون قبول کریں گے، اس لئے کہ اب حکومت بنی امیہ، مسلمانوں سے بھی جزیہ وصول کررہی تھی اور مسلمانوں کو عرب اور غیر عرب کی بنیاد پر تقسیم کررہی تھی۔ اسلامی اصول مساوات کو بری طرح پامال کردیا تھا۔ اب صوفیا نے تحریک کو سلسلوں کی شکل دی تاکہ یہ تمام سلسلے دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل جائیں اور وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیں۔

صوفی تحریک کے نتیجے میں ہندوستان بھی اس کا اہم مرکز بنا اور مختلف صوفی سلسلے ہندوستان آئے۔ شروع میں ملتان، اجمیر اور دہلی اس کے مرکز بنے اور پھر ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبات میں صوفیا نے اپنے خلفا بھیجے۔ نتیجہ کے طور پر صوفیاء کرام کو ہندوستانی سماج میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ صوفیاء نے بنیادی طور پر دو اصولوں کی پیروی اور تبلیغ کی ایک توحید ورسالت یعنی لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور دوسرے محبت اہل بیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ جس کے لئے ارشاد رب العزت ہے۔ قل لااسئلکم علیه اجرا الا المودت فی القربیٰ ۔ صوفیاء نے اسلام کے صلح کے پیغام کو لوگوں تک پہونچایا اس کے لئے انہوں نے اپنی خانقاہوں کے در وازوں کو بلاتفریق مذہب وملت سب کے لئے کھول دیا۔ قرآن کی اس آیت رب العالمین کی پیروی کرتے ہوئے ۔

خانقاہوں میں آنے اور تذکیر میں حصہ لینے میں تبدیلیٔ مذہب کی کوئی شرط نہیں رکھی۔ صوفیاء کے اس رویے نے ہندوستانیوں کے دلوں میں ایک جگہ بنائی۔ جس کی عکاسی آج بھی ان کے وصال کے چھ سو یا آٹھ سو سال گذرنے کے بعد بھی نظر آتی ہے۔ ان کی درگاہوں کی ہندوستانی عوام کے قلب ودماغ میں ان کے مقام کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ جب ۱۹۴۷ میں تقسیم ہند کے فیصلے کے بعد پنجاب اور اترپردیش کے زیادہ تر مسلمان خاص کر پانی پت، سونی پت، تھانیسر، کرنال سے پاکستان ہجرت کر گئے اور ان قصبات میں ایک بھی مسلمان نہ رہاحالانکہ اس دور میں بہت قتل وغارت اور لوٹ مار ہوئی لیکن صوفیاء کی کسی درگاہ کو اس جنونی حالت میں بھی کسی نے نقصان نہیں پہونچایا بلکہ آج بہت سی درگاہوں کے انتظام وانسرام میں خاص طور سے پنجاب اور ہریانہ کے علاقے میں ہندو اور سکھ حضرات ہی دلچسپی لے رہے ہیں۔ سولہویں صدی میں انگلینڈ میں جب ہنری ہشتم کا اس کی طلاق کے مسئلہ پر پوپ سے جھگڑا چلا تو انگلینڈ میں پوپ سے متعلق چرچوں اور موناسٹریز کو مسمار کردیا گیا۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد فارسی تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء ہوا لیکن سلطنت عہد کی تاریخوں میں جن میں حسن نظامی کی تاج المآثر، فخر مدبر کی آداب الحرب والشجاعہ، منہاج السراج کی طبقات ناصری ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، اسامی کی فتوح السلاطین اور شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں صوفیا اور صوفی تحریک سے متعلق مواد بہت کم ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کے مورخین کا مرکز سلاطین وامراء تھے۔ صوفیاء سے متعلق مواد صوفیاء کے ملفوظات اوراس دور میں لکھے گئے تذکروں میں ملتا ہے۔ ہندوستان میں برٹش سرکار کے قیام کے بعد جہاں انہوں نے ہندوستان کی دوسری تہذیبی وثقافتی زندگی کو نشانہ بنایا۔ تاریخ بھی انکا نشانہ بنی۔ انہوں نے اپنے طور پر ہندوستان کی تاریخ لکھی اور انہیں کتابوں کو اپنی قائم کردہ مدراس، بومبے اور کلکتہ کی یونیورسٹیوں کالجوں اور اسکولوں کے نصاب میں شامل کرکے پڑھایا۔ لیکن ایلٹ اور ڈاؤسن اور دوسرے انگریز انشوروں سے جن تاریخ کی کتابوں کی تدوین وترجمہ کرایا تھا ان فارسی تاریخوں میں صوفیاء پر مواد بہت کم تھا اس لئے انگریز دانشوروں اور مورخین کی توجہ صوفیاء پر نہ ہوسکی اور وہ نشانہ بننے سے محفوظ رہے۔ صوفیاء پر تو زیادہ تر مواد ملفوظات، تذکروں اور ان کے مکتوبات میں تھا۔ جس کے نتیجے میں صوفی تحریک اور اس سے متعلق ادب ان کی دست برد سے بچ گیا۔ کیونکہ برٹش دور

کے نصاب میں تصوف او رصوفیاء پر توجہ نہیں دی گئی اور ہم ٹھہرے نقل کرنے والے اس لئے آزاد ہندوستان میں بھی یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے نصاب میں تصوف اور صوفیاء کے کارناموں پر کچھ موجود نہیں۔ صرف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر وغیرہ کے تو تاریخ کے شعبوں نے تصوف پر کچھ دیا ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں تصوف پر کام پروفیسر خلیق احمد نظامی اور پروفیسر سید اطہر عباس رضوی نے کیا۔ انگریزی زبان میں تصوف پر ان دونوں مورخین کی کتابیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ لیکن جو غلطی انگلینڈ اور یورپ کے مورخین نے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں کی تھی کہ انہوں نے تصوف اور صوفیائے ہندوستان کو نظر انداز کردیا تھا اب انہیں اس غلطی کا احساس ہوا اور اب انہوں نے تصوف وصوفیاء پر کام کرنا شروع کیا ہے تاکہ اس کو بھی تاریخ ہندوستان کی طرح مسخ کرسکیں۔ پی ۔ ایم ۔ کُری نے آکسفورڈ یونیورسٹی، انگلینڈ میں ایک تحقیقی مقالہ (Ph.D) پروفیسر سائمن ڈگبی کی نگرانی میں پیش کیا اورڈ گری ملنے کے بعد وہ کتاب کی شکل میں شائع ہوگیا۔ اس مقالہ کے اسکالر ،نگراں اور ممتحن ،تصوف ، اور درگاہوں کے نظام سے کتنے لاعلم ہیں اس کا اندازہ اس تحقیقی مقالے میں اغلاط سے ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کم از کم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ تاریخ میں تصوف پر ایم ۔ اے کے کورس میں ایک پرچہ پڑھایا جانا چاہئے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یا جامعہ ملیہ اسلامیہ میں صوفی اسٹڈیز کا ایک سینٹر حکومت ہند قائم کرے۔

میں جب جامعہ آرکائیوز کا ڈائریکٹر تھا تو ایک فہرست تعطیلات جامعہ نظر سے گذری تو اوّلین دور میں دوسری چھٹیوں کے علاوہ ایک چھٹی کالکاجی مندر کے میلے کی اور دوسری حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس کی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں ارباب جامعہ ملیہ اسلامیہ نے صوفیاء کو بھی اہمیت دی تھی لیکن آج ہندوستان میں صوفیاء کے کارنامے کے باجود کسی مرکزی یا صوبائی یونیورسٹی میں صوفی سینٹر نہ بن سکا کہ جہاں تصوف اور صوفیاء پر خاص مطالعہ وتحقیق ہوتی۔ دوسرا مسئلہ زبان کا ہے اب فارسی داں مورخین کی کمی ہے اور صوفیاء کے تمام ملفوظات ،مکتوبات اور تذکرے فارسی زبان میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں جن کا پڑھنا خود ایک مسئلہ ہے۔ عصر حاضر میں میں تصوف اور صوفیاء کے مطالعہ کی شدید ضرورت ہے اس لئے کہ آج پھر کچھ مغربی طاقتیں جو ہمارے درمیان موجود ہیں وہ ابھر رہی ہیں اور وہ ہندو مسلم اور سنی شیعہ کے سوال پر تقسیم کرانا چاہتی ہیں۔ ابھی

عراق میں یہ کوشش امریکہ کر چکا ہے۔ انگریز جب ہندوستان میں تھے تو ہندو مسلم اور شیعہ سنی تفریق پیدا کر کے فرقہ وارانہ فسادات انیسویں صدی میں کرائے اور آخر میں ملک کو تقسیم کرا کے گئے اس تقسیم کے نتائج آج تک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش بھگت رہا ہے۔ پاکستان میں تو حد یہ ہوئی کہ خانہ کعبہ کے لئے آیت ہے کہ جو اس میں داخل ہوا اس نے امان پائی۔ مسجد خانہ کعبہ کی شبیہ ہے، پاکستان میں مساجد میں فرقہ کی بنیاد پر خون بہایا جارہا ہے۔ کول موجودہ علی گڑھ، چشتی صوفی صوفی شاہ جمال الدین کی ولایت کا مرکز چودھویں صدی عیسوی میں بنا انہوں نے اسلام کے صلح کے پیغام کی تبلیغ کی اور سماج میں یک جہتی پیدا کی لیکن آج علی گڑھ ہندو مسلم کے نام پر تقسیم ہو چکا ہے۔ ہندؤں کے محلے علیحدہ اور مسلمانوں کے محلے علیحدہ۔ ان قصبات اور شہروں کی شکل عہد وسطیٰ میں کچھ اور تھی اور آج جدید دور میں کچھ اور ہے۔ آج ہمارا سماج انتشار کا شکار ہے۔

عرفان، امام خمینیؒ کی توجہ کا بھی مرکز بنا۔ اسی سے متاثر ہو کر انہوں نے لاشرقیہ لاغربیہ کا نعرہ دیا تھا۔ شیخ حمید الدین ناگوری جو چودھویں صدی عیسوی کے چشتی صوفی ہیں انہوں نے کہا تھا۔

مَرد خدا بمشرق ومغرب غریب نیست ہر جا کہ می رود ہمہ ملک خدائی است

(اللہ والا مشرق ومغرب میں کہیں غریب نہیں وہ جس جگہ بھی جاتا ہے۔ سب اس کے خدا کا مالک ہے)

امام خمینیؒ نے اتحاد واتفاق کی بات کی۔ سنی وشیعہ فرقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ایک ساتھ نماز ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور پڑھوائی۔ جبکہ ہندوستان میں مغل دور میں سنی وشیعہ ایک ہی مسجد میں ساتھ ساتھ نماز ادا کرتے تھے لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں نواب آصف الدولہ کے دور میں مسجد آصفی سے نماز علیحدہ علیحدہ شروع ہوگئی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جہاں ندوۃ العلماء سلطان المدارس، فرنگی محل اور ناظمیہ جیسے اہم علمی مراکز ہوں اس شہر لکھنؤ میں شیعہ سنی فسادات ہوئے۔ لیکن امام خمینی نے پھر اتحاد کی تحریک شروع کی اور ایک ساتھ نماز پڑھوائی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم نے جو نماز اٹھارویں صدی عیسوی میں علیحدہ ادا کرنا شروع کی تھی اور اب اکیسویں صدی میں پہونچنے کے بعد ہم نے پھر اسی شہر لکھنؤ میں ساتھ نماز پڑھنی شروع کی ہے۔

میرے مورث اعلیٰ میر سید علی ہمدانی کشمیر میں کبرویہ مسئلے کے بانی تھے۔ انہیں کے نبیرگان

میں میر کمال الدین ہمدانی ہمایوں بادشاہ کے عہد میں جلالی آئے اور کبرویہ سلسلے کی بنیاد ڈالی۔ اور تبلیغ اسلام شروع کی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں موسم گرما کی تعطیلات میں جلالی جاتا تو تین ماہ تک دادا مرحوم حکیم سید محمد ریاض الدین حسین ہمدانی کی غیر رسمی تعلیم کے وعظ ونصیحتیں سنتا تھا اس میں وہ صوفیاء پر کافی بات کرتے۔ وہیں سے مجھے تصوف اور صوفیاء سے دلچسپی شروع ہوئی یہ ہے ہمارے بزرگوں کا کمال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو میرے والد حکیم سید محمد کمال الدین حسین نے مولانا سید کلب عابد صاحب سے ان کے ایصال ثواب کی مجلس پڑھنے کی درخواست کی۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو انہوں نے ایک خط دکھایا اس وقت مولانا سید علی سجاد صاحب اور مولانا سید راحت حسین صاحب بھی موجود تھے۔ خط میں لکھا تھا کہ جن صاحب کے ایصال ثواب کی مجلس پڑھنے آپ تشریف لارہے ہیں وہ صوفیاء کے بڑے مداح تھے۔ لہٰذا آپ کا آنا درست نہ ہوگا۔ اس جملہ سے اس شخص کی تصوف سے لاعلمی اور جہالت کا اظہار ہوتا ہے۔ جب ڈاکٹر سید عبد الحمید ضیائی صاحب نے مجھ سے راہ اسلام کے تصوف اسلامی پر مجلّہ خصوصی کی ایڈیٹر شپ کے لئے کہا تو میں نے اس کو نعمت سمجھتے ہوئے بسروچشم قبول کرلیا اس لئے کہ یہ میرا فرض اوّلین ہے۔

صوفی ادب ایک سمندر کی طرح ہندستان ، پاکستان ، بنگلہ دیش ، ایران اور انگلینڈ کی لائبریریوں کے شعبہ مخطوطات اور آرکائیوز میں پھیلا ہوا ہے ہندوستان کی لائبریریوں میں مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ، رضا لائبریری رام پور، خدابخش لائبریری ، پٹنہ، نیشنل لائبریری ، کولکتہ، سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد، نیشنل میوزیم ، دہلی، ذاکر حسین لائبریری، دہلی اور درگاہوں سے متعلق کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔ پاکستان میں نیشنل میوزیم، ایران میں کتاب خانہ آستانہ قدس رضوی، مشہد ، کتاب خانہ دانشگاہ تہران، کتاب خانہ ملی تہران اور انگلینڈ میں برٹش لائبریری لندن میں کثیر تعداد میں صوفی ادب سے متعلق مخطوطات محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مخطوطات کی تدوین واشاعت ہو اور پھر ان کتابوں کے تراجم ہوں تب ہی تصوف اور صوفیاء کی فکر کی سمجھ انگریزی داں دانشوروں میں ہوسکے گی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ صرف حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس پر جناب حسن ثانی نظامی صاحب اور جناب ڈاکٹر سید خسیر وحسینی صاحب حضرت سید محمد گیسودراز بندہ نواز کے عرس کے موقعہ پر سیمنار کا اہتمام کرتے ہیں جو بڑا اہم کام ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ باقی تمام صوفیاء کی درگاہوں پر بھی عرس کے موقعہ پر سیمنار کا اہتمام

کیا جائے تا کہ ان صوفیاء کے کارنامے دانشوروں اور ذرائع ابلاغ سے متلعق افراد کے ذریعہ عوام تک پہونچ سکیں۔

راہ اسلام کے اس خصوصی شمارہ میں ہم نے کچھ ان مورخین ودانشوروں کے مضامین بھی شامل کئے ہیں جو آج حیات نہیں۔ ان میں سرفہرست نام استادمحترم پروفیسر خلیق احمد نظامی ، سابق صدر شعبہ تاریخ ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ کا ہے ۔ انہوں نے تصوف پر بہت کام کیا ہے۔ کچھ مضامین موجودہ مورخین ودانشوروں کے بھی شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔ میں ان تمام حضرات کا شکر گزارہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر اپنے مضامین برائے اشاعت تحریرفرمائے۔

میں ڈاکٹر کریم نجفی ، کلچرل کاؤنسلر ، اسلامیہ جمہوریہ ایران، دہلی نو اور ڈاکٹرسید عبد الحمید ضیایی، ڈائریکٹر ، اسلامی جمہوریہ ایران، دہلی نو کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے راہ اسلام کے اس مجلّے کی ایڈیٹرشپ میرے سپرد فرمائی۔ اس مجلّہ کی اشاعت کے مختلف مراحل میں پروفیسر سید عراق رضا زیدی، سابق صدر، شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ ، نئی دہلی پروفیسر شاہ محمد وسیم، جناب مجید احمدی، جناب سید علی ظہیر نقوی اور جناب مہدی باقر کی مدد شامل حال رہی۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی
سابق صدر، شعبہ تاریخ وثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی